

تفہیم القرآن

الاحزاب

(۴۴)

بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم نہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راستباز ہیں

پچھلے پیراگراف کے بعد متعلقہ مضمون ارشاد فرما کر ایک لطیف اشارہ اس امر کی طرف کر دیا گیا ہے کہ اوپر اندراج مطہرات کو جو ہدایات دی گئی ہیں وہ ان کے لیے خاص نہیں ہیں بلکہ مسلم معاشرے کو یا عموم اپنے کردار کی اصلاح انہی ہدایات کے مطابق کرنی چاہیے۔ یعنی جنہوں نے اسلام کو اپنے لیے ضابطہ حیات کی حیثیت قبول کر لیا ہے اور یہ طے کر لیا ہے کہ اب وہ اسی کی پیروی میں زندگی بسر کریں گے۔ دوسرے الفاظ میں جن کے اندر اسلام کے دیتے ہوئے طریق فکر اور طرز زندگی کے خلاف کسی قسم کی مزاحمت باقی نہیں رہی ہے۔ بلکہ وہ اس کی اطاعت اور اتباع کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔

یعنی جن کی یہ اطاعت محض ظاہری نہیں ہے، باطنی ناخواستہ نہیں ہے، بلکہ دل سے وہ اسلام ہی کی رہنمائی کو حق مانتے ہیں۔ ان کا ایمان یہی ہے کہ فکر و عمل کا جو راستہ قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھایا ہے وہی سیدھا اور صحیح راستہ ہے اور اسی کی پیروی میں ہماری فلاح ہے جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے غلط کہہ دیا ہے ان کی اپنی رائے بھی یہی ہے کہ وہ یقیناً غلط ہے، اور جسے اللہ اور اس کے رسول نے حق کہہ دیا ہے ان کا اپنا دل و دماغ بھی اسے برحق ہی نہیں کرتا ہے۔ ان کے نفس اور ذہن کی حالت یہ نہیں ہے کہ قرآن اور سنت سے جو حکم ثابت ہو سکے وہ نامناسب سمجھتے ہوں اور اس فکر میں غلطیاں و بیجاں رہیں کہ کسی طرح اسے بدل کر اپنی رائے

صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے

کے مطابق، یا دنیا کے چلتے ہوئے طریقوں کے مطابق ڈھال بھی دیا جائے اور یہ الزام بھی اپنے سر نہ لیا جائے کہ ہم نے حکم خدا و رسول میں ترمیم کر ڈالی ہے۔ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی صحیح کیفیت کو یوں بیان فرماتے ہیں:

ذاق طعم الايمان من رضى الله
رباً وبالا سلام ديناً وبمحمد رسولاً۔
ایمان کا لذت شناس ہو گیا وہ شخص جو راضی ہوا
اس بات پر کہ اللہ ہی اس کا رب ہو اور اسلام
ہی اس کا دین ہو اور محمد ہی اس کے رسول ہوں۔

اور ایک دوسری حدیث میں آپ اس کی تشریح یوں کرتے ہیں:

لا يؤمن احدكم حتى يكون هواه
تبعاً لما جئت به (شرح السنہ)
تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوتا جب تک
کہ اس کی خواہش نفس امارت کی تابع نہ ہو جائے
جسے میں لایا ہوں۔

۶۔ یعنی وہ محض مان کر رہ جہانے والے بھی نہیں ہیں بلکہ عملاً اطاعت کرنے والے ہیں۔ ان کی یہ حالت نہیں ہے کہ ایمان داری کے ساتھ حق تو اسی چیز کو مانیں جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے مگر عملاً اس کی خلاف ورزی کریں، اور اپنی مخلصانہ رائے میں قیاس سب کاموں کو بُرا ہی سمجھتے رہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے منع کیا ہے مگر اپنی عملی زندگی میں ارتکاب انہی کا کرتے چلے جائیں۔

۷۔ یعنی اپنی گفتار میں بھی سچے ہیں اور اپنے معاملات میں بھی کھڑے ہیں۔ جھوٹ، فریب، بدعتی، دغا بازی اور جھپٹ سب اُن کی زندگی میں نہیں پائے جاتے۔ ان کی زبان وہی بولتی ہے جسے اُن کا ضمیر صحیح جانتا ہے۔ وہ کام وہی کرتے ہیں جو ایمان داری کے ساتھ ان کے نزدیک رستی و صداقت کے مطابق ہوتا ہے۔ اور جس سے بھی وہ کوئی معاملہ کرتے ہیں دیا نت کے ساتھ کرتے ہیں۔
۸۔ یعنی خدا اور رسول کے بتائے ہوئے سیدھے راستے پر چلنے اور خدا کے دین کو قائم

والے ہیں، اپنی فتر مگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے کرنے میں جو مشکلات بھی پیش آئیں، جو خطرات بھی درپیش ہوں، جو تکلیفیں بھی اٹھانی پڑیں اور جن نقصانات سے بھی دوچار ہونا پڑے، ان کا پوری ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔ کوئی خوف، کوئی لالچ اور خواہشاتِ نفس کا کوئی تقاضا ان کو سیدھی راہ سے ہٹا دینے میں کامیاب نہیں ہوتا۔

۵۹ یعنی وہ کثیر اور استکبار اور غرورِ نفس سے خالی ہیں۔ وہ اس حقیقت کا پورا شعور و احساس رکھتے ہیں کہ ہم بندے ہیں اور بندگی سے بالاتر ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس لیے ان کے دل اور جسم دونوں ہی اللہ کے آگے جھکے رہتے ہیں۔ ان پر خدا کا خوف غالب رہتا ہے۔ ان سے کبھی وہ رویہ ظاہر نہیں ہوتا جو اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا اور خدا سے بے خوف لوگوں سے ظاہر ہوا کرتا ہے۔ ترتیبِ کلام کو ملحوظ رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس عام خدا ترسانہ رویہ کے ساتھ خاص طور پر ”خشوع“ سے مراد نماز ہے، کیونکہ اس کے بعد ہی صدقہ اور روزے کا ذکر کیا گیا ہے۔

۶۰ اس سے مراد صرف فرضِ زکوٰۃ ادا کرنا ہی نہیں ہے، بلکہ عام خیرات بھی اس میں شامل ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں کھلے دل سے اپنے مال صرف کرتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کی مدد کرنے میں اپنی حد استطاعت تک وہ کوئی دریغ نہیں کرتے۔ کوئی یتیم، کوئی بیمار، کوئی مصیبت زدہ، کوئی ضعیف و معذور، کوئی غریب و محتاج آدمی ان کی بستنیوں میں دشگیری سے محروم نہیں رہتا۔ اور اللہ کے دین کو سر بلند کرنے کے لیے ضرورت پیش آجائے تو اس پر اپنے مال ٹٹا دینے میں وہ کبھی بخل سے کام نہیں لیتے۔

۶۱ اس میں فرض اور نفل دونوں قسم کے روزے شامل ہیں۔

۶۲ اس میں وہ مفہوم شامل ہیں۔ ایک یہ کہ وہ زنا سے پرہیز کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ برہنگی و عریانی سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ برہنگی و

والے ہیں، اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

عربانی ہرٹ اسی چیز کا نام نہیں ہے کہ آدمی لباس کے بغیر بالکل ننگا ہو جائے۔ بلکہ ایسا لباس پہننا بھی برائی ہی ہے جو اتنا قریبی ہو کہ جسم اس میں سے جھلکتا ہو، یا اتنا چست ہو کہ جسم کی ساخت اور اس کے نقیب و فراز سب اس میں سے نمایاں نظر آتے ہوں۔

اللہ کو کثرت سے یاد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی زبان پر ہر وقت زندگی کے ہر معاملے میں کسی نہ کسی طرح خدا کا نام آتا رہے۔ یہ کیفیت آدمی پر اس وقت تک طاری نہیں ہوتی جب تک اس کے دل میں خدا کا خیال بس کر نہ رہ گیا ہو۔ انسان کے شعور سے گزر کر اس کے تحت الشعور اور لا شعور تک میں جب یہ خیال گہرا تر جاتا ہے تب ہی اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ جو کام اور جو بات بھی وہ کرے گا اس میں خدا کا نام ضرور آئے گا۔ کھائے گا تو بسم اللہ کہہ کر کھائے گا۔ فارغ ہو گا تو الحمد للہ کہے گا۔ سوئے گا تو اللہ کو یاد کرے گا اور اٹھے گا تو اللہ ہی کا نام لینے ہوئے۔ بات چیت میں بار بار اس کی زبان سے بسم اللہ، الحمد للہ، انشاء اللہ، ماشاء اللہ اور اسی طرح کے دوسرے کلمات نکلتے رہیں گے۔ اپنے ہر معاملے میں اللہ سے مدد مانگے گا۔ ہر نعمت ملنے پر اس کا شکرا ادا کرے گا۔ ہر آفت آنے پر اس کی رحمت کا طلب گار ہو گا۔ ہر مشکل میں اس سے رجوع کرے گا۔ ہر برائی کا موقع سامنے آنے پر اس سے ڈرے گا۔ ہر قصور و سرزد ہو جانے پر اس سے معافی چاہے گا۔ ہر حاجت پیش آنے پر اس سے دعا مانگے گا۔ غرض اٹھتے بیٹھتے اور دنیا کے سارے کام کاج کرتے ہوئے اس کا وظیفہ خدا ہی کا ذکر ہو گا۔ یہ چیز درحقیقت اسلامی زندگی کی جان ہے۔ دوسری جتنی بھی عبادات ہیں ان کے لیے بہر حال کوئی وقت ہوتا ہے جب وہ ادا کی جاتی ہیں اور انہیں ادا کر چکنے کے بعد آدمی فارغ ہو جاتا ہے لیکن یہ وہ عبادت ہے جو ہر وقت جاری رہتی ہے اور یہی انسان کی زندگی کا مستقل رشتہ اللہ اور اس کی بندگی کے ساتھ جوڑے رکھتی ہے۔ خود عبادات اور تمام دینی کاموں میں بھی جان اسی چیز سے پرتی ہے کہ آدمی کا دل محض ان خاص اعمال کے وقت ہی نہیں بلکہ ہمہ وقت خدا کی طرف راغب اور اس کی زبان دائماً اس کے ذکر سے تر رہے۔ یہ

حالت انسان کی ہو تو اس کی زندگی میں عبادات اور دینی کام ٹھیک اسی طرح پروان چڑھتے اور نہ ٹھوٹتا پاتے ہیں جس طرح ایک پودا ٹھیک اپنے مزاج کے مطابق آب و ہوا میں لگا ہوا ہو۔ اس کے برعکس جو زندگی اس دائمی ذکر خدا سے خالی ہو اس میں محض مخصوص اوقات میں یا مخصوص مواقع پر ادا کی جانے والی عبادات اور دینی خدمات کی مثال اس پودے کی سی ہے جو اپنے مزاج سے مختلف آب و ہوا میں لگا یا گیا ہو اور محض باغبان کی خاص خبر گیری کی وجہ سے پل رہا ہو۔ اسی بات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث میں یوں واضح فرماتے ہیں :

معاذ بن انسؓ جہنی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ جہاد کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر اجر پانے والا کون ہے ؟ فرمایا جو ان میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ یاد کرنے والا ہے۔ اس نے عرض کیا روزہ رکھنے والوں میں سب سے زیادہ اجر کون پائیگا ؟ فرمایا جو ان میں سب سے زیادہ اللہ کو یاد کرنے والا ہو پھر اس شخص نے اسی طرح نماز، زکوٰۃ، حج اور صدقہ ادا کرنے والوں کے متعلق پوچھا اور حضور نے ہر ایک کا یہی جواب دیا کہ جو اللہ کو سب سے زیادہ یاد کرے اور پوچھے۔

عن معاذ بن انس الجہنی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان رجلاً سألہ ائی المجاہدین اعظمُ اجرًا یا رسول اللہ؟ قال اکثرہم للہ تعالیٰ ذکرًا۔ قال ائی الصائمین اکثر اجرًا؟ قال اکثرہم للہ عزہ وجل ذکرًا۔ ثم ذکر الصلوٰۃ والزکوٰۃ والحج والصدقۃ کل ذالک یقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثرہم للہ ذکرًا (مسند احمد)

۱۳۷ اس آیت میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اصل قدر و قیمت کن اوصاف کی ہے۔ یہ اسلام کی بنیادی قدریں (BASIC VALUES) ہیں جنہیں ایک فقرے کے اندر سمیٹ دیا گیا ہے۔ ان قدریں کے لحاظ سے مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے عمل کے لحاظ سے تو بلاشبہ دونوں صنفوں کا دائرہ کار الگ ہے۔ مردوں کو زندگی کے کچھ شعبوں میں کام کرنا ہے اور عورتوں کو کچھ اور شعبوں میں لیکن اگر یہ اوصاف دونوں میں یکساں موجود ہوں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کرے تو پھر اسے اپنے اُس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔

دونوں کا مرتبہ یکساں اور دونوں کا اجر برابر ہوگا۔ اس لحاظ سے ان کے مرتبے اور اجر میں کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ ایک نے چولہا چکی سنبھالا اور دوسرے نے خلافت کی مسند پر بیٹھ کر احکام شریعت جاری کیے، ایک نے گھر میں بچے پالے اور دوسرے نے میدان جنگ میں بیکار اللہ اور اس کے دین کے لیے جان لڑائی۔

۶۵۔ یہاں سے وہ آیات شروع ہوتی ہیں جو حضرت زینبؓ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے سلسلے میں نازل ہوئی تھیں۔

۶۶۔ ابن عباس، مجاہد، قتادہ، عکرمہ اور مقاتل بن حیان کہتے ہیں کہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی تھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ کے لیے حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا تھا اور حضرت زینبؓ اور ان کے رشتہ داروں نے اسے نامنظور کر دیا تھا۔ ابن عباس کی روایت ہے کہ جب حضورؐ نے یہ پیغام دیا تو حضرت زینبؓ نے کہا انا خیر منہ نسباً میں اُس سے نسب میں بہتر ہوں۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ انہوں نے جواب میں یہ بھی کہا تھا کہ لا ارضاء لنفسی وانا اتم قریشی میں اسے اپنے لیے پسند نہیں کرتی، میں قریش کی شریف زادی ہوں۔ اسی طرح کا اظہارِ نارضا مندی اُن کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے بھی کیا تھا۔ اس لیے کہ حضرت زینبؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اور حضرت زینبؓ حضورؐ کی چھوٹی رامتیم بنت عبدالطلبؓ کی صاحبزادی تھیں۔ ان لوگوں کو یہ بات سخت ناگوار تھی کہ اتنے اونچے گھرانے کی لڑکی، اور وہ بھی کوئی غیر نہیں بلکہ حضورؐ کی اپنی چھوٹی زاد بہن تھے اور اس کا پیغام آپؐ اپنے آزاد کردہ غلام کے لیے دے رہے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اسے سنتے ہی حضرت زینبؓ اور ان کے سب خاندان والوں نے بلا تامل سیرِ اطاعت خم کر دیا۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اُسے نبی، بادکردہ موقع جب تم اُس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے اور
نے ان کا نکاح پڑھایا، خود حضرت زید کی طرف سے دس دینار اور ۶ درہم مہر ادا کیا، چڑھا دے کے
پکڑے دیئے، اور کچھ سامان خوراک گھر کے خرچ کے لیے بھجوا دیا۔

یہ آیت اگرچہ ایک خاص موقع پر نازل ہوئی ہے، مگر جو حکم اس میں بیان کیا گیا ہے وہ اسلامی
آئین کا اصل الاصول ہے اور اس کا اطلاقی پورے اسلامی نظام زندگی پر ہوتا ہے۔ اس کی رو سے
کسی مسلمان فرد، یا قوم، یا ادارے، یا عدالت، یا پارلیمنٹ، یا ریاست کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس
معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی حکم ثابت ہو اُس میں وہ خود اپنی آزادی رائے
استعمال کرے مسلمان ہونے کے معنی ہی خدا اور رسول کے آگے اپنے آزادانہ اختیار سے دستبردار
ہو جانے کے ہیں۔ کسی شخص یا قوم کا مسلمان بھی ہونا اور اپنے لیے اس اختیار کو محفوظ بھی رکھنا، دونوں
ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ کوئی مرد عاقل ان دونوں رویوں کو جمع کرنے کا تصور نہیں کر سکتا۔
جیسے مسلمان رہنا ہو اس کو لازماً حکم خدا اور رسول کے آگے جھک جانا ہوگا۔ اور جسے نہ جھکنا ہو اس کو
سیدھی طرت ماننا پڑے گا کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ شاید اسے کاتھولکیت اپنے مسلمان ہونے کا وہ کتنا ہی
درجہ دل پیٹھے، خدا اور خلق دونوں کی نگاہ میں وہ منافق ہی قرار پائے گا۔

آیت یہاں سے آیت ۸ تک کا مضمون اُس وقت نازل ہوا جب حضرت زینب سے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کر چکے تھے اور اُس پر منافقین، یہود اور مشرکین نے آپ کے خلاف پروپیگنڈا
کا ایک طوفان عظیم برپا کر رکھا تھا۔ ان آیات کا مطالعہ کرتے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے
کہ اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات اُن دشمنوں کی تفہیم کے لیے نہیں تھے جو قصداً حضور کو بدنام کرنے اور
اپنے دل کی جبلت نکالنے کے لیے جھوٹ اور بہتان اور طعن و تشنیع کی مہم چلا رہے تھے، بلکہ اصل مقصد
مسلمانوں کو اُن کی اس مہم کے اثرات سے بچانا اور ان کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات سے
محفوظ کرنا تھا ہر بات ہے کہ اللہ کا کلام منکرین کو مطمئن نہیں کر سکتا تھا۔ اس سے اگر اطمینان
نصیب ہو سکتا تھا تو انہی لوگوں کو جو جانتے اور مانتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ ان بدگانِ حق

تم نے احسان کیا تھا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑا اور اللہ سے ڈرنا، اُس وقت تم اپنے کے متعلق اُس وقت یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ دشمنوں کے اعتراضات کہیں ان کے دلوں میں بھی شک اور ان کے دماغوں میں بھی الجھن نہ پیدا کر دیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایک طرف تمام امکانی شبہات کا ازالہ فرمایا، اور دوسری طرف مسلمانوں کو بھی اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ بتایا کہ ان حالات میں ان کا رویہ کیا ہونا چاہیے۔

۶۸؎ مراد میں حضرت زید، جیسا کہ آگے بصراحت بیان فرما دیا گیا ہے۔ اُن پر اللہ تعالیٰ کا احسان کیا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان کیا؛ اس کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ مختصر یہ کہ اُن کا قصہ بیان کر دیا جائے۔ یہ دراصل قبیلہ مکہ کے ایک شخص حارث بن شراحبیل کے بیٹے تھے اور ان کی ماں سعدی بنت ثعلبہ قبیلہ طے کی شاخ بنی معن سے تھیں۔ جب یہ آٹھ سال کے بچے تھے اس وقت ان کی ماں انہیں میکے لیکر گئیں۔ وہاں بنی قین بن جہش کے لوگوں نے ان کے پڑاؤ پر حملہ کیا اور کوٹ مار کے ساتھ بن آدمیوں کو وہ پکڑے گئے اُن میں حضرت زید بھی تھے پھر انہوں نے طائف کے قریب عکاظ کے میدان میں لے جا کر ان کو بیچ دیا۔ خریدنے والے حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام تھے۔ انہوں نے مکہ لا کر انہیں اپنی پھوپھی صاحبہ کی خدمت میں نذر کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت خدیجہ کا حجب نکاح ہوا تو حضور نے ان کے ہاں زید کو رکھا اور ان کی عادات و اطوار آپ کو اس قدر پسند آئیں کہ آپ نے انہیں حضرت خدیجہ سے مانگ لیا۔ اس طرح یہ خوش قسمت لڑکا اُس خیر الخلاق مہنتی کی خدمت میں پہنچ گیا جسے چند سال بعد اللہ تعالیٰ نبی بنانے والا تھا۔ اس وقت حضرت زید کی عمر ۵ سال تھی۔ کچھ مدت بعد ان کے باپ اور چچا کو پتہ چلا کہ ہمارا بچہ مکہ میں ہے۔ وہ انہیں تلاش کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور عرض کیا کہ آپ جو فدیہ چاہیں ہم دینے کے لیے تیار ہیں آپ ہمارا بچہ ہمیں دے دیں۔ حضور نے فرمایا کہ میں لڑکے کو بلاتا ہوں اور اسی کی مرضی پر چھوٹے دیتا ہوں کہ وہ تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہے یا میرے پاس رہنا پسند کرتا ہے۔ اگر وہ تمہارے

ساتھ جانا چاہیے گا تو میں کوئی خدیہ نہ لؤں گا اور اسے یونہی چھوڑ دوں گا۔ لیکن اگر وہ میرے پاس رہنا چاہے تو میں ایسا آدمی نہیں ہوں کہ جو میرے پاس رہنا چاہتا ہو اسے خواہ مخواہ نکال دوں۔ انہوں نے کہا یہ تو آپ نے انصاف سے بھی بڑھ کر درست بات فرمائی ہے، آپ بچے کو بلا کر پوچھ لیجیے۔ حضورؐ نے زید کو بلایا اور ان سے کہا ان دونوں صاحبوں کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں، یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا۔ آپ نے فرمایا، اچھا، تم ان کو بھی جانتے ہو اور مجھے بھی۔ اب تمہیں پوری آزادی ہے کہ چاہو ان کے ساتھ چلے جاؤ اور چاہو میرے ساتھ رہو۔ انہوں نے جواب دیا میں آپ کو چھوڑ کر کسی کے پاس نہیں جانا چاہتا۔ ان کے باپ اور چچا نے کہا، زید، کیا تو آزادی پر غلامی کو ترجیح دیتا ہے، اور اپنے ماں باپ اور خاندان کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہنا چاہتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اس شخص کے جو اوصاف دیکھے ہیں ان کا تجربہ کر لینے کے بعد میں اب دنیا میں کسی کو بھی اس پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ زید کا یہ جواب سن کر ان کے باپ اور چچا بخوشی راضی ہو گئے۔ حضورؐ نے اسی وقت زید کو آزاد کر دیا اور حرم میں جا کر قریش کے مجمع عام میں اعلان فرمایا کہ آپ سب لوگ گواہ رہیں، آج سے زید میرا بیٹا ہے، یہ مجھ سے وراثت پائے گا اور میں اس سے۔ اسی بنا پر لوگ ان کو زید بن محمد کہنے لگے۔ یہ سب واقعات نبوت سے پہلے کے ہیں۔ پھر حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے منصب نبوت پر سرفراز ہوئے تو چار بہنیاں ایسی تھیں جنہوں نے ایک لمحہ شک و تردید کے بغیر آپؐ سے نبوت کا دعویٰ سنتے ہی اسے تسلیم کر لیا۔ ایک حضرت خدیجہؓ دوسرے حضرت زیدؓ۔ تیسرے حضرت علیؓ۔ اور چوتھے حضرت ابو بکرؓ۔ اُس وقت حضرت زید کی عمر ۳۳ سال تھی اور ان کو حضورؐ کی خدمت میں رہتے ہوئے ۱۵ سال گزر چکے تھے۔ ہجرت کے بعد مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بچھوچی زاد بہن حضرت زینبؓ سے ان کا نکاح کیا، خود اپنی طرف سے ان کا ہر ادا کیا، اور گھر لیانے کے لیے ان کو ضروری سامان عنایت فرمایا۔

دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھولنا چاہتا تھا، تم لوگوں سے ڈر رہے تھے حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ پھر جب زید اس سے اپنی یہی حالت یہی سن کی طرت اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں اشارہ فرما رہا ہے کہ ”جس پر اللہ نے اور تم نے احسان کیا تھا۔“

۶۹۔ یہ آس وقت کی بات ہے جب حضرت زید سے حضرت زینب کے تعلقات انتہائی کشیدہ ہو چکے تھے۔ اور انہوں نے بار بار شکایات پیش کرنے کے بعد آخر کار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔ حضرت زینب نے اگرچہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم مان کر ان کے نکاح میں جانا قبول کر لیا تھا، لیکن وہ اپنے دل سے اس احساس کو کسی طرح نہ مٹا سکیں کہ زید ایک آزاد کردہ غلام ہیں، ان کے اپنے خاندان کے پروردہ ہیں، اور وہ عرب کے شریف ترین گھرانے کی بیٹی ہونے کے باوجود اس کم تر درجے کے آدمی سے بیاہی گئی ہیں۔ اس احساس کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں انہوں نے کبھی حضرت زید کو اپنے برابر کا نہ سمجھا، اور اسی وجہ سے دونوں کے درمیان تلخیاں بڑھتی چلی گئیں۔ ایک سال سے کچھ ہی زیادہ مدت گزری تھی کہ نوبت طلاق تک پہنچ گئی۔

نئے بعض لوگوں نے اس فقرے کا اٹا مطلب یہ نکال لیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت زینب کے نکاح کے خواہشمند تھے، اور آپ کا جی چاہتا تھا کہ حضرت زید ان کو طلاق دیدیں مگر جب انہوں نے آکر عرض کیا کہ میں بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں تو آپ نے معاذ اللہ اور پیڑل سے ان کو منع کیا، اس پر اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ”تم دل میں وہ بات چھپا رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا۔“ حالانکہ اصل بات اس کے بالکل برعکس ہے۔ اگر آیات نمبر ۱-۲-۳ اور ۷ کے ساتھ ملا کر یہ فقرہ پڑھا جائے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ جس زمانے میں حضرت زید اور ان کی اہلیہ کے درمیان تلخی بڑھتی چلی جا رہی تھی اسی زمانے میں اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اشارہ کر چکا تھا کہ زید جب اپنی بیوی کو طلاق دیں تو ان کی مطلقہ خاتون سے آپ کو نکاح کرنا ہوگا۔ لیکن چونکہ حضور

حاجت پوری کر چکا تو ہم نے اس درمطلقہ عاتقوں کا تم سے نکاح کر دیا تاکہ سو منوں پر اپنے
 بانٹتے تھے کہ عرب کی اس سوسائٹی میں منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرنا کیا معنی رکھتا ہے
 — اور وہ بھی عین اس حالت میں جبکہ مٹھی بھر منانوں کے سوا باقی سارا عرب آپ کے خلاف
 پہلے ہی خار کھائے بیٹھا ہے — اس لیے آپ اس شدید آزمائش میں پرنے سے بھجپا رہے
 تھے۔ اسی بنا پر جب حضرت زیدؓ نے بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضورؐ نے ان سے
 فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ آپ کا منشا یہ تھا کہ یہ شخص طلاق نہ دے
 تو میں اس بلا میں پرنے سے بچ جاؤں، ورنہ اس کے طلاق دے دینے کی صورت میں مجھے
 حکم کی تعمیل کرنی ہوگی اور پھر پھر یہ وہ کیڑا چھالی جائے گی کہ پناہ بخدا۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو
 اولوالعزمی اور رضا یقضا کے جس بلند مرتبے پر دیکھنا چاہتا تھا اس کے لحاظ سے حضورؐ کی یہ بات
 اس کو فرد تر نظر آئی کہ آپ نے قصد زید کو طلاق سے روکا تاکہ آپ اس کام سے بچ جائیں
 جس میں آپ کو بدنامی کا اندیشہ تھا، حالانکہ اللہ ایک بڑی مصلحت کی خاطر وہ کام آپ سے
 لینا چاہتا تھا۔ تم لوگوں سے ڈرو ہے تھے، حالانکہ اللہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے
 ڈرو۔“ کے الفاظ صاف صاف اسی مضمون کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

یہی بات اس آیت کی تشریح میں امام زین العابدین حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے
 فرمائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ”اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دے چکا تھا کہ زینب آپ کی بیویوں
 میں شامل ہونے والی ہیں، مگر جب زید نے اگر ان کی شکایت آپ سے کی تو آپ نے ان سے فرمایا
 کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو نہ چھوڑو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہیں پہلے خبر دے چکا تھا
 کہ میں تمہارا نکاح زینب سے کرنے والا ہوں۔ تم زید سے یہ بات کہتے وقت اس بات کو چھپا
 رہے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا“ (ابن جریر۔ ابن کثیر بحوالہ ابن ابی حاتم)

علامہ آلوسی نے بھی تفسیر روح المعانی میں اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ
 ”یہ عتاب ہے ترکِ اولیٰ پر۔ اس حالت میں اولیٰ یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہتے،

منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے معاملہ میں کوئی تنگی نہ رہے جبکہ وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں۔ اور اللہ کا حکم تو عمل میں آنا ہی چاہیے تھا۔ بنی پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہو۔ یہی اللہ کی سنت ان سب انبیاء کے یازید سے فرما دیتے کہ تم جو کچھ کرنا چاہو کر سکتے ہو۔ عتاب کا ماحصل یہ ہے کہ تم نے زید سے یہ کیوں کہا کہ اپنی بیوی کو نہ چھوڑو، حالانکہ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا تھا کہ زینب تمہاری بیویوں میں شامل ہونگی۔

۱۷ یعنی جب زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور ان کی عدت پوری ہو گئی۔ حاجت پوری کر چکا کے الفاظ سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ زید کی اس سے کوئی حاجت باقی نہ رہی۔ اور یہ صورت حال محض طلاق سے دینے سے رونما نہیں ہوتی، کیونکہ عدت کے دوران میں شوہر کو اگر کچھ دلچسپی باقی ہو تو وہ رجوع کر سکتا ہے، اور شوہر کی یہ حاجت بھی مطلقہ بیوی سے باقی رہتی ہے کہ اس کے حاملہ ہونے یا نہ ہونے کا پتہ چل جائے۔ اس لیے مطلقہ بیوی کے ساتھ اس کے سابق شوہر کی حاجت اُسی وقت ختم ہوتی ہے جب عدت گزر جائے۔

۱۸ یہ الفاظ اس باب میں صریح ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکاح خود اپنی خواہش کی بنا پر نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر کیا۔

۱۹ یہ الفاظ اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ایسی ضرورت اور مصلحت کی خاطر کرایا جو اس تدبیر کے سوا کسی دوسرے ذریعہ سے پوری نہ ہو سکتی تھی۔ عرب میں منہ بولے رشتہوں کے بارے میں جو غلط تصور صدیوں سے قائم تھا اور اس کی وجہ سے معاشرے میں جو غلط رسوم رائج ہو گئی تھیں، ان کے توڑنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہ تھی کہ اللہ کا رسول خود آگے بڑھ کر ان کو توڑ ڈالے۔ لہذا یہ نکاح اللہ تعالیٰ نے محض نبی کے گھر میں ایک بیوی کا اضافہ کرنے کی خاطر نہیں بلکہ ایک اہم ضرورت کی خاطر کروایا۔ ۲۰ ان الفاظ میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ دوسرے مسلمانوں کے لیے تو یہ کام محض مباح ہے

معلقہ میں رہی ہے جو پہلے گزر چکے ہیں اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔
 دین اللہ کی سنت ہے اُن لوگوں کے لیے جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے
 ڈرتے ہیں اور ایک خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، اور محاسبہ کے لیے بس اللہ ہی کافی ہے۔

مگر نبی کہے لیے یہ ایک فرض تھا جو اللہ نے اس پر عائد کیا تھا۔ اور جب اللہ کوئی کام نبی پر فرض
 کر دے تو دنیا کی کوئی طاقت اور کوئی رکاوٹ اس کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی۔ خواہ ساری
 دنیا اس کی مخالف ہو، نبی بہر حال اس کام کو کر کے رہے گا۔

۵۷ یعنی انبیاء کے لیے ہمیشہ سے یہ سنا بطہ مقرر رہا ہے کہ اللہ کی طرف سے جو
 حکم بھی آئے اس پر عمل کرنا ان کے لیے قضا ہے مگر جس سے کوئی مضر اُن کے لیے نہیں ہے۔
 ۵۸ اصل الفاظ میں کفٰی بالکھ حسیباً۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ہر خوف اور خطرے
 کے مقابلے میں اللہ کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ حساب لینے کے لیے اللہ کافی ہے، اس کے
 سوا کسی اور کی باز پرس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

نئی مطبوعات

ادکار نمونہ۔ مصنف: امام ابن تیم۔ مترجم: مولانا خلیل حامدی قیمت قسم اول ۵۰-۳۰

دین کی باتیں۔ مصنف: مولانا عبدالحی۔ قیمت ۲ روپے

فقہ السنہ۔ از محمد عاصم۔ قیمت ۸ روپے

تفسیر سورہ نور۔ از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ہدیم اول۔ ۶ روپے۔ قسم دوم ۵۰۔ قسم سوم ۵۰-۴۰

اسلامک لائبریری کا نئی شیشی۔ از مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ قیمت ۱۲ روپے

ملنے کا پتہ۔ شعبہ ادارہ ترجمان القرآن چیمبر لاہور